قرآن کے نقطہ نظر سے مثبت معاشرتی تبدیلی کے عوامل

ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی[1]

اشاریہ:

معاشرتی تبدیلی حقیقت میں اجتماعی علوم میں نئے اور ترقی یافتہ موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ہے، جس نے تفسیری علوم میں بھی اپنے پیر کھول دیئے ہیں۔ تاہم قرآن مجید ایک سوشیالوجی کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس کا بنیادی مقصد فرد اور معاشرے کے افکار اور طرز عمل کو تبدیل کرنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف عوامل کی ضرورت ہے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے میں کامیابی مل سکے، کیونکہ قرآن ایک عامل کی بجائے تبدیلی لانے کے لئے کئی عوامل متعارف کراتا ہے لہٰذا، ایسے عوامل کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔ قرآن مجید مثبت اور منفی عوامل کی اقسام کی طرف اشارہ کرتا ہے ان عوامل میں سے ہر ایک کو مادی اور معنوی عوامل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں، صرف مثبت عوامل پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔ اس بات پر توجہ کی ضرورت ہے کہ ان میں سے بعض عوامل معاشرہ شناسی اور بعض نفسیات شناسی میں مددگار ہیں.

یہ عوامل اس وقت تبدیلی لاتے ہیں جب تبدیلی کے لئے حالات اور تمہیدات مہیا کردی گئیں ہوں۔ ان میں سے کچھ عوامل بنیادی اور مرکزی ہیں اور کچھ تواثر گزار اور کارآمد ہیں۔ قرآن مجید معنوی عوامل پر زیادہ تاکید کرتا ہے اور ساتھ ہی کچھ مادی عوامل کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ معنوی عوامل اصل میں تبدیلی کے عمل میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں یہ عوامل پہلے افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے بعد رفتار میں تبدیلی لاتے ہیں. ان میں سے کچھ عوامل سماجیات کے ساتھ ساتھ نفسیات کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ قرآن کے نقطہ نظر سے مثبت معاشرتی تبدیلی کے عوامل، اس تحقیق کا اصلی سوال ہے اور یہ مقالہ علوم اجتماعی اور تفسیری تلفیقی روش سے وجود میں آیا ہے۔

کلیدی الفاظ: مثبت عوامل، معاشرتی تبدیلیاں، ثقافتی عوامل، سیاسی عوامل، اقتصادی عوامل۔

مقدمہ:

معاشرتی تبدیلی کے عوامل کے بارے میں سماجی علوم کے ماہرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض نے ایک ہی عامل یا ایک سے زیادہ مادی عوامل کو ہی سماجی اور معاشرتی تبدیلی کی وجہ قرار دیا ہے لیکن بعض دوسرے غیر مادی عوامل کو بھی معاشرتی تبدیلی کی وجہ شمار کرتے ہیں.

اسی طرح بعضوں نے فقط ایک عامل کو ہی تبدیلی کا سبب جانا ہے. لیکن زیادہ تر دانشوروں نے اس نظریہ کو رد کیا ہے وہ لوگ جنہوں نے متعدد عوامل کو تبدیلی کی وجہ کہا ہے ان میں بھی عوامل کو معین کرنے میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے

یہ ایک ایسی مشکل ہے جو تمام تر سماجی اور معاشرتی تبدیلی کے اِبحاث میں مشاہدہ ہوتا ہے اہم ترین معاشرتی تبدیلی کے عوامل

---

[1] ۔اسلامی اسکالر المصطفیٰ انٹر نیشنل یونیورسٹی قم

تاریخ وصول: ۲/۳/۲۰۲۲　　تاریخ تائید: ۸/۴/۲۰۲۲

بعض ماہرین عمرانیات کی نگاہ میں ٹیکنالوجی[2] آبادی[3] جغرافیہ[4] قومی ہیروز[5]؛ سیاست[6]؛ اقتصاد، مکتب وآیڈیولوجی، نسل ونژاد[7] رقابت؛ ثقافت و کلچر اور مذہب[8] وغیرہ ہیں.

اس بات کی طرف توجہ رہے کہ ہم اس تحقیق میں یہ نہیں چاہتے کہ ایک ماہر عمرانیات کی مانند نیاایک واقعہ یاحادثہ کی کرداری جہت سے تحلیل کرے کہ کیسے یہ تبدیلی آئی اور وہ اس کے درپے نہیں کہ کیسے تبدیلی ایجاد کرے. اسی طرح وہ کوئی تجاویز پیش نہیں کرتا کہ کیسے تبدیلی آتی ہے اور اسی طرح معاشرہ میں «ایسا ہونا چاہئے» یعنی فارسی زبان میں «بایدہا» سے وہ بحث نہیں کرتا، بلکہ معاشرہ میں «جو کچھ ہے» یعنی فارسی زبان میں «ہست ہا» سے بحث کرتا ہے.

قرآن مجید تنہا «جو کچھ ہے» سے متعلق ہی گفتگو نہیں کرتا بلکہ «جو ہونا چاہیے» سے بھی گفتگو کرتا ہے «جو ہے»، کو موضوع بناتا ہے تاکہ «جو ہونا چاہیے» تک جاسکے.

معاشرتی تبدیلی کیسے آتی ہے اس بات سے قرآن بحث نہیں کرتا بلکہ قرآن معاشرتی تبدیلی کیسے لانا ہے کے موضوع پر توجہ دیتا ہے. اس تحریر میں قرآن سے الہام لیتے ہوئے معاشرتی تبدیلی کے مثبت عوامل کو تین اہم حصوں (ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی) میں تقسیم کیا ہے.

مفاھیم سے آشنائی:

عوامل: بہت سارے عوامل جیسے مادی، معنوی، اختیاری اور غیر اختیاری سب ملکر معاشرتی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اس تحقیقی مقالے میں فقط اختیاری عوامل کہ جس کو مثبت و منفی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور یہ عوامل معاشرتی تبدیلی میں بھی اثر رکھتے ہیں، سے بحث کی گئی ہے یہ عوامل تین حصوں: ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی عوامل میں تقسیم ہوتے ہیں. ان تین عوامل سے اہم ترین عامل، «ثقافتی عوامل» ہیں کہ یہ عوامل سماج کو ارتقاء وپیشرفت کی جانب لے جاتے ہیں اور اساسی کردار نبھاتے ہیں ثقافتی عوامل سے مراد وہ اکائیاں جو معاشرتی تشکیل اور ارتقاء میں مستقیماً اثر رکھتے ہیں جن کو تبدیلی کے عامل کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔[9]

---

[2] واگو، استفان، ۱۳۷۳، درآمدی برتئوری ہاومدل ہای تغییرات اجتماعی، ترجمہ ی غروی زاد، تہران: موسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)؛

[3] رفیع پور، فرامرز، ۱۳۸۷، آناتومی جامعہ: مقدمہ ای بر جامعہ شناسی کاربردی، تہران: شرکت سہامی

[4] کوئن، بروس ۱۳۸۲، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ غلام عباس توسلی-رضافاضل، تہران: سمت؛

[5] حمید، حمید ۱۳۵۲ علم تحولات جامعہ، تہران: انتشارات امیر کبیر؛

[6] واگو، استفان، ۱۳۷۳، درآمدی برتئوری ہاومدل ہای تغییرات اجتماعی، ترجمہ ی غروی زاد، تہران: موسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)؛

[7] مساواتی، آذر مجید، دیدگاہ ہای جامعہ شناسی تغییرات اجتماعی، ہادی ۱۳۷۲ش؛

[8] اچ. ترنر، جاناتان، مفاہیم وکاربردہای جامعہ شناسی، ترجمہ محمد فولادی و محمد عزیزی بختیاری، قم: انتشارات موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، ۱۳۷۸ش؛

[9] بشوی، محمد یعقوب، تغییرات اجتماعی از منظر قرآن، قم: بوستان کتاب، ۱۳۹۸۱ش؛

معاشرتی تبدیلی

اجتماعی علوم و عمرانیات کے دانشوروں نے معاشرتی تبدیلی کی بہت زیادہ تعریفیں بیان کی ہیں مغربی معروف دانشور جناب گی روشہ لکھتے ہیں : " تبدیلی کا عامل عبارت ہے ایسی تبدیلی جو زمانے بھر میں دیکھنے کے قابل ہو ایسی صورت میں کہ وقتی وعارضی اور غیر دائمی نہ ہو، معاشرتی تشکیلات و تنظیموں پر اثر چھوڑے اور تاریخی بہاؤ کا رخ بدل ڈالے۔[١٠]

اسلامی دانشوروں میں تبدیلی کی بحث ایک اہم موضوع ہے. حضرت آیہ اللہ استاد تقی مصباح یزدی فرماتے ہیں : "معاشرتی تبدیلی ایک ایسی تبدیلی ہے جو کہ معاشرے میں انجام پائے اور اس کے نتیجے واثرات بھی اجتماعی اور معاشرتی نوعیت کے ہوں، نیز اس کو دوام وبقا حاصل ہو۔[١١]

استادِ مصباح کی تعریف عمومی ہے اور ہر قسم کی تبدیلی جو اجتماعی نوعیت کے حامل ہوں (چاہیے مادی ہوں یا معنوی) سب کو یہ تعریف شامل ہے.

بعض علوم قرآن کے دانشوروں نے معاشرتی انقلاب کو معاشرتی تبدیلی سمجھا ہے ان میں محمد عبداللہ دراز[١٢]، محمد باقر الصدر،[١٣] محمد باقر حکیم[١٤] اسی نظریے کے قائل علماء میں سے ہیں

قرآن مجید کی آیات اور مفاہیم کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرتی تبدیلی کی تعریف یوں ہو سکتی ہے: «افکار و نظریات یا رفتار واعمال یا دونوں میں تبدیلی، ایک عامل یا متعدد مادی و معنوی عوامل کے سبب آجائے اور فرد یا معاشرہ یا دونوں کو مثبت یا منفی جہت میں حرکت دے اس کو معاشرتی تبدیلی کہتے ہیں».

اسلوب وروش تحقیق :

اس مقالے میں تحقیقی روش، تفسیر موضوعی قرآن کی روش، اجتہادی روش[١٥] اور علم عمرانیات کی کیفی روش[١٦] کو اپنایا ہے ساتھ ہی متون اور مآخذ کا مطالعہ اور متن کی تحلیل و تجزیہ کے ساتھ اکتشافی اسلوب کی مدد سے یہ تحقیق انجام پائی ہے.

---

[١٠] روشہ، گی، ١٣٨٧، تغییرات اجتماعی، ترجمہ : وثوقی، منصور، تہران: نشرنی؛
[١١] مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن، تہران: شرکت چاپ و نشر بین الملل، ١٣٨٨ش؛
[١٢] درّاز، محمد عبداللہ، النبا العظیم، نظرات جدیدہ فی القرآن (نظرات جدیدہ فی القرآن)، ریاض: دار طیبہ، ١٤٢١ق؛
[١٣] صدر، محمد باقر، المدرسہ القرآنیہ (السنن التاریخیہ فی القرآن)، سوریہ: دار التعارف للمطبوعات، ١٤٠٩ق؛
[١٤] حکیم، محمد باقر، علوم القرآن، قم: مجمع الفکر الاسلامی، ١٤١٧ق؛

[١٥] رضایی اصفہانی، محمد علی، روش ہای تفسیر قرآن، ناشر مرکز بین المللی ترجمہ و نشر المصطفیٰ (ص) : ١٣٩٧؛
[١٦] لوک وان کامپنہود، ریموند کیوی، روش تحقیق در علوم اجتماعی مؤلفان: ، مترجم: عبدالحسین نیک گہر: ١٣٨٤ ناشر: توتیا؛

اہداف:

قرآن کریم کے ان اجتماعی آیات کا تعارف، قرآن کا معاشرتی تبدیلی ایجاد کرنے میں عملی ہدایت اور قرآن کریم کو معاشرتی وانفرادی زندگی میں شامل کرکے قرآن سے اجنبیت اور دوری کو بر طرف کرنا اور قرآنی مثبت تقدیر ساز اصولوں کو پہچانوانا ،جو معاشرتی تبدیلی کی زمام سنبھالتے ہیں اور معاشرے کی عملی نظم وانتظام اور آئندہ درپیش تبدیلیوں سے متعلق قرآنی پیشین گوئیوں کا تعارف اس تحقیقی مقالے کااہم ترین مقاصد میں سے ہیں

تبدیلی کے عوامل اور اقسام قرآنی نگاہ میں

معاشرتی تبدیلی کے وہ عوامل جن کا کردار اہم ہیں جیسے ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی عوامل کو تین مختلف اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں البتہ ان میں سے ہر ایک پر کئ مقالات لکھے جانے کی ضرورت ہیں یہاں ہم مختصراًان میں سے ہر ایک پر بحث کریں گے.

الف) ثقافتی عوامل: یہ عوامل مثبت عوامل اور منفی عوامل میں قابل تقسیم ہیں یہاں اس مقالے میں فقط مثبت عوامل سے متعلق ہم بیان کریں گے ان میں سے زیادہ اہمیت والے عوامل، ثقافتی عوامل ہیں جو اعتقادات، اقدار وآداب ورسوم پر مشتمل ہے .ثقافتی عوامل جو معاشرتی تبدیلی کو تیز کرنے اور اصلی عوامل کے عنوان سے گنا جاتا ہے.

جناب مارویناولسون، ثقافت کے لیے چار اصلی اجزاء کے قائل ہیں اعتقادات، اقدار، سماجی معمولات، (کیاانجام پائے گا؟) اور آخر میں ٹیکنالوجی کو سوال (کیسے انجام پاتا ہے) کاجواب دیا جاتا ہے.

ثقافت سے ہماری مراد، وہی تعریف ہے جو استاد مصباح یزدی نے بیان کی ہے

انہوں نے ثقافت اسلامی کے تین بنیادی عناصر بیان کی ہیں، جیسے اعتقادات ونظریہ (جہان بنی) اقدار اور اچھائی اور برائی اور تیسرے عنصر خاص طرز عمل جو انہی تعلیمات اور اقدار سے پھوٹتی ہے یعنی ثقافتی عوامل سے مراد، اصول دین، اخلاق اور احکام اسلامی ہیں کہ جن کو خالص اسلامی ثقافت کہا جاتا ہے.

اعتقادات:

اعتقادات ،اہم ترین ثقافتی عومل میں شمار ہوتے ہیں ماہرین سماجیات نے اعتقادات کو خاص معنی میں لیا ہے اور اس کو جمعی تصورات کے مجموعہ کو معین کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جو کسی ایک خاص معاشرہ میں بغیر آزمائے قبول کیا ہوا ہو یالوگ اپنی عقل پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے حقیقی امور کے طور پر قبول کیا ہوا ہوتا ہے. اعتقادات، مشترک عقیدے سے تشکیل پاتی ہیں اور سبھی لوگ اس کو ایک مسلم چیز شمار کرتے ہیں سے لیکر دینی اعتقادات تک کو شامل ہے (بیرو، ۱۳۸۰: ۳۱). یہاں اعتقادات سے وہ مذہبی عقائد ہماری مراد ہیں جو ثقافت سے مربوط ہیں اور یہ مذہبی ثقافت راسخ وثابت واستوار ہے اور کسی بھی قسم کی تبدیلی اس میں نہیں آسکتی اور یہ تبدیلی کو قبول نہیں کرتی. قرآن مجید مذہبی اعتقاد کو ایک مضبوط ثقافتی عامل کے طور پہ سماجیات میں قبول کرتا ہے جیسے کفر اور ایمان وغیرہ جو معاشرتی تبدیلی میں انتہائی اہم کردار کرتے ہیں. اگر سماج کے افراد کے اعتقادات منفی ہوں تو حتمًا

منفی تبدیلی ایجاد ہو گی ہے اگر مثبت اعتقادات ہوں تو مثبت تبدیلی آئے گی.

ایمان:

مثبت اعتقادی عوامل میں سے ایک اہم عامل جو تبدیلی میں تسلسل و دوام ایجاد کرتا ہے اور تبدیلی کی حفاظت کرتا ہے وہ عنصر ایمان ہے۔ایمان کے بارے میں مختلف نظریات ہیں جناب تولستوی روسی ماہر حکیم ،ان کی نظر میں ایمان وہ چیز ہے کہ جس کے ساتھ انسان زندگی گزارتا ہے۔[17]

امام خمینی (رح) اندرونی اور بیرونی تبدیلی میں اہم ترین عامل کو عنصر ایمان گردانتے ہیں. آپ نے انقلاب اسلامی ایران کو آپ ایمان کا نتیجہ قرار دیا. آپ یہ بھی تاکید کرتا ہے ایمانی طاقت ہی کی وجہ سے ملت ایران نے تمام تر مضبوط طاقتوں پر غلبہ پیدا کر لیا. اور انقلاب کو کامیاب بنایا۔[18]

شہید مطہری (رح) معتقد ہے کہ ایمان خود اصالت رکھتا ہے در عین حال اعتقادات وافکار کے لیے بنیاد واساس شمار ہوتا ہے ۔[19] در حقیقت (ایمان) ارادوں کو سمت عطا کرتا ہے. ارادے، رفتار و کردار کو جنم دیتا ہے اور رفتار معاشرے میں تبدیلی لے کر آتی ہے.

قرآن کریم میں ایمان، عمل صالح کے بالمقابل بیان ہوا ہے اور بذات خود ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور لوگوں کے اعمال کو سمت دیتا ہے علامت ایمان کو باطنی اعتقاد کہا ہے کہ جس کے آثار عمل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایمان، حقیقت وماهیت کے اعتبار سے علم ومعرفت سے جدا ایک حقیقت ہے. معرفت ،درک کرنا اور کسی چیز کو اس کے اثر کے ذریعے غور وفکر کرکے پانا ہے جو علم سے اخصّ ہے۔ علم تنہا جاننا ہے اور قرآن میں دونوں یعنی علم وایمان ایک ساتھ ذکر ہوا ہے.

قرآنی تعلیمات کی رو سے ایمان، ایک اختیاری طور پر حاصل ہونے والی چیز ہے جو کہ ارادہ وآگاہی سے تشکیل پاتا ہے. شیعہ سنی روایات کے مطابق «ایمان، دل کی آگاہی، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء وجوارح سے عمل انجام دینا» کہلاتا ہے۔[20]

شہید مطہری علم وایمان کے درمیان ظریف فرق کے قائل ہے وہ معتقد ہے انسانی اور معاشرتی مستقبل کی تشکیل میں علم وایمان دونوں کا جدا جدا کردار ہے علم کا کام یہ ہے جو چیز بنانا ہے وہ انسان کو دکھاتا ہے علم انسان کو طاقتور بناتا ہے جس طرح سے چاہیے اسی طرح مستقبل (آیندہ انسان وسماج) کو بنائے

لیکن ایمان کا کام یہ ہے کہ انسان کو اس طرف کھینچتا ہے کہ کیسے انسان کے اور انسانی سماج کے مستقبل کو بنائے اور اپنے معاشرے کے

---

[17] مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران: صدرا، ۱۳۷۲ش؛

[18] دارینی، محمود، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، قم، ۱۳۸۶ش؛

[19] مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران: صدرا، ۱۳۷۲ش؛

[20] سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی تفسیر الماثور، قم: کتابخانہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۴ق؛

لئے مفید واقع ہوں۔ یعنی بنانے کی راہ انسان کو علم دکھاتا ہے کیسے بنانا ہے اس کی طرف ایمان راہنمائی کرتا ہے.

ایمان میں عنصر ارادہ ہے ایمان، علم کے برخلاف ہے جو انسان کو عمل پر اکساتا ہے. ایمان نہ تنہا سماج میں تبدیلی ایجاد کرتا ہے بلکہ اعمال کو قدر و منزلت بھی عطاء کرتا ہے. ایمان فرد و سماج کی مستقبل بنانے والا اور مطلوبہ حالت کی جانب مومن معاشرہ کو حرکت دینے والا عامل ہے.

سورہ نور کی آیت ۵۵« وَعَدَ اللَّهُ الَّذينَ آمَنُوا... لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دينَهُمُ الَّذِي ارْتَضى لَهُمْ»؛ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ تمام موجودات پر حکومت تنہا مومن معاشرے سے متعلق ہے ایمان معاشرے کو بہترین مستقبل کی جانب حرکت دیتا ہے چونکہ ایسے سماج پر تسلط کے لئے دوہری کوشش و جستجو کی ضرورت ہے اور بغیر کوشش کے مطلوب معاشرہ وجود نہیں پائے گا. وعدہ الہی سب اہل ایمان سے ہے لہٰذا اجتماعی طور پر کوشش کرکے ہی مطلوبہ نتیجہ حاصل ہوگا اور اسی عمل سے دسیوں بار دوسروں کو تبدیل بھی کرتا ہے اور اس طرح سے معاشرہ ارتقاء وپیشرفت کی طرف جائے گا اور اسی طرح وعدہ الہی محقق ہو پائے گا.

ایمان نہ فقط سماجی تبدیلی پر اثر انداز ہوتا ہے بلکہ منفی تبدیلی سے سماج کو بچاتا بھی ہے:« فَلَوْ لا كانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَها إيمانُها إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنا عَنْهُمْ عَذابَ الْخِزْيِ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا وَ مَتَّعْناهُمْ إِلى حينٍ ». اس آیت کریمہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قوم یونس کے ایمان نے انہیں دردناک عذاب سے بچالیا اگر عنصر ایمان نہ ہوتا تو عذاب الہی ان کے سروں آنے والا ہی تھا. اور اسی طرح دیگر اقوام بھی منفی تبدیلی سے روبرو ہو کر سب کے سب ہلاک ہو جاتے!

قرآن مجید، قوم یونس کی ہلاکت سے نجات کا عمومی ضابطہ بیان کر رہا ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ ایمانی معاشرہ کو ہر حال میں نجات ملتی ہے چونکہ ایمان کا عامل سبب بنتا ہے کہ بلاؤں کے سیلابی ریلے کا رخ موڑ دے اور خدا کی رحمت سمیٹنے کا سبب بن جائے.

یقین:

مثبت اعتقادی عوامل میں سے دوسرا اہم عامل جو تبدیلی میں تسلسل و دوام ایجاد کرتا ہے اور تبدیلی کی حفاظت کرتا ہے وہ عنصر یقین ہے۔ قرآن میں لفظ «یقین» کو اعتقاد کے برابر سمجھا جاسکتا ہے وہ شک کو دور کرنے اور معاملے کو ٹھیک کرنے کے معنی میں ہے۔ اس لفظ کے بارے میں گویا قرآن، روایات اور لغت میں ایک قسم کا اتحاد پایا جاتا ہے. انسان کے اندر ایک ثابت علم اور ناقابل تغییر معنی کا نام یقین ہے۔

صاحب لسان العرب، یقین کو خود علم اور شک کو دور کرنے والا سمجھتا ہے۔[۲۱]

صاحب التحقیق کا اعتقاد ہے: یقین عربی ادب میں فعیل کے وزن پر ہے جس کا معنی نفس میں ثابت وراسخ علم کا ہے جو سکون اور

---

[۲۱] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ق؛

اطمینان کا حامل ہے۔[۲۲]

یہاں پر یقین سے مراد اعتقاد نہیں بلکہ اعتقاد کا اعلیٰ ترین ثابت شدہ مصداق ہے جس کی بنیاد میں علم راسخ ہے اور اس کی صفت تبدیل پذیر نہ ہونا اور نفس میں اطمینان کا سبب بنا ہے اور یہ فرد و سماج پر غیر معمولی اثر چھوڑ تا ہے. ایمان ویقین میں یہ فرق ہے کہ ایمان لانے والی چیز ہے لیکن یقین علم ودرایت کے ہمراہ آتا ہے. کبھی کبھار یقین، ایمان سے پہلے ہوتا ہے اور کبھی ایمان کے بعد، قرآن میں یقین کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں: حق الیقین (حاقہ ،۵۱)، عین الیقین اور علم الیقین ہے. ،« كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّها عَيْنَ الْيَقِينِ»[۲۳] اگر کسی چیز کی حقانیت پر علم حاصل ہو جس کے نتیجے میں مضبوط ایمان پیدا ہوتا ہے چنانچہ داستان فرعون میں ساحروں نے لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰ کی حقانیت نبوت کو مشاہدہ کرلیا تھا یعنی مرحلہ عین الیقین پر پہنچ چکے تھے اپنے عقیدوں کو بدل ڈالا. جس کے ساتھ ہی ان کی رفتار میں محسوس تبدیلی ایجاد ہوئی،[۲۴] لہٰذا فرعون کی طرف سے انکے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے کی دھمکیوں کے باوجود اسکی سرپرستی وحکومت کو قبول نہ کیا اور سب کے سب شہید ہوگئے۔[۲۵]

پہلا ساحر یقین پیدا کرچکا تھا اس کے بعد ایمان لایا. امام صادق (علیہ السلام) نے حدیث میں فرمایا ہے «یقین یعنی خوف خدا کو اپنے وجود میں غلبہ دینا۔

روایت میں یقین کی اہمیت ہر چیز سے زیادہ گنا گیا ہے چنانچہ حضرت علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں: « نَوْمٌ عَلَى يَقِينٍ خَيْرٌ مِنْ صَلَاةٍ فِي شَكٍ»، شک کی حالت مین نماز پڑھنے سے یقین کے ساتھ سونا افضل ہے۔[۲۶] یقین کے درجات ومراتب ہیں بعض اوقات یقین، ایمان کے بعد پیدا ہوتا ہے چنانچہ داستان حضرت ابراہیم (علیہ السلام) میں ذکر ہوا ہے وہ ایمان رکھتے تھے:«وَ إِذْ قالَ إِبْراهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتى قالَ أَ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قالَ بَلى وَ لكِنْ لِيَ طْمَئِنَّ قَلْبِي قالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءاً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْياً وَ اعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيم»، لیکن کائنات کے حقائق کے بارے میں عین الیقین کے مرتبے پر نہیں پہنچا ہوا تھا:« وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ»[۲۷]

یقین منفی تبدیلیوں سے روکتا ہے اور سماج کو مثبت سمت میں حرکت دلاتا ہے آیہ مجیدہ میں یقین، حقائق عالم، عالم مثال اور اس سے بالاتر کی بات ہے۔[۲۸]

---

[۲۲] مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران: بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، ۱۳۶۰ش؛
[۲۳] (تکاثر،۵-۷)
[۲۴] اعراف، ۱۲۳
[۲۵] طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران: انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۷۲
[۲۶] مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت: موسسہ الوفاء، بی تا؛
[۲۷] انعام، ۷۵
[۲۸] گنابادی، سلطان محمد، تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ، بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۸ق؛

اس بات کی طرف توجہ لازم ہے کہ یقین، فکری تبدیلی اور عملی تبدیلی انتہائی اہم عامل ہے جو ارتقاء کی طرف حرکت دلاتا ہے چنانچہ آیات میں ذکر ہوا ہے.

البتہ عالم معنویت میں یقین کے اعلیٰ مراحل کی جانب جانا نہ فقط حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے ہے بلکہ تمام نوع انسان، یقین کے اعلیٰ مراحل کی جانب جاسکتے ہیں: « كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّها عَيْنَ الْيَقِينِ»[29]

یقین کے اثرات کا دائرہ اس دنیا سے بڑا ہے بعض آیات قرآن سے یہ بات سمجھ میں آتا ہے یہاں تک کہ عالم آخرت میں بھی انسان یقین کے اثرات مشاہدہ کریں گے اعلیٰ ترین معنوی درجہ، یقین ہے. یقین ایسی تبدیلی انسان میں ایجاد کرتا ہے جنہیں الہی رہبروں نے لوگوں کے لیے بیان کیا ہے: « وَ جَعَلْنا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنا لَمَّا صَبَرُوا وَ كانُوا بِآياتِنا يُوقِنُونَ»[30]

اقدار

زیادہ تر عمرانیات کے علوم کے ماہرین، اقدار کو بعض خاص زمان ومکان سے مختص سمجھتے ہیں جو کہ قابل تبدیل ہے اور محدود. کبھی کسی جگہ ایک چیز اقدار کہلائے تو کہیں دوسری جگہ یہی چیز اینٹی ویلیو اور مخالف اقدار بن جائے گی. قرآن نے جن اقدار کا ذکر کیا ہے ان کی جڑیں انسانی فطرت اور حقیقی اعتقادات اور سماج کی بنیادوں میں ہیں لیکن قرآن نے ایسے بھی اقدار بیان کیے ہیں جو زمان ومکان سے ماوراء ہیں معاشرتی ارتقاء وپیشرفت کی ضرورت کے حساب سے یہ اقدار اور چیزیں بیان ہوئی ہیں مثال کے طور پر اسلامی معاشرے میں سود کیوں برااور قدر مخالف رویہ ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ اگر خدانے اسے منع نہ کیا تواسے قدر کے خلاف سمجھنا مشکل ہے۔ نماز پڑھنا اچھاہے کیونکہ خدانے حکم دیا ہے ورنہ رات کے درمیانی حصے میں اٹھ کر نماز ادا کرنا کون چاہئے گا۔ تو عقائد اقدار کی تشکیل میں کردار ادا کرتے ہیں۔ عقائد کا تعلق اعتقاد کے شعبے سے ہے، لیکن اقدار کا تعلق اخلاقیات اور رویے کے شعبے سے ہے۔ دونوں کو ثقافت کے اجزاء سمجھا جاتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ اقدار دو خصوصیات کے حامل ہیں:

۱- قابل تبدیل نہ ہونا؛

۲-دائمی اور عام ہونا.

یہ اقدار قابل تبدیل نہیں بلکہ دائمی ہیں اعتقادات کے بعد معاشرتی تبدیلی میں اقدار کا زیادہ حصہ شامل ہیں. اقدار کی وجہ سے در حقیقت سماج میں شوق پیدا ہوتا ہے اور شوق، اعمال اور رویوں کی زمام سنبھالتا ہے اور مدیریت کرتا ہے اور اعمال، تبدیلی پیدا کرتے ہیں. انسانی اقدار جو رویے کی غیر معمولی چیزوں کا سبب بنتی ہیں اور رفتار میں عدم تعادل اور بغاوت اور دوسرے امور میں بے ضابطگیوں کا سبب ہیں وہ قرآن کی نگاہ میں اقدار نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ الہی اقدار ہی معاشرے کو ارتقاء کی طرف لیکر جائے گی لہٰذا ان کی حفاظت ضروری ہے۔ سماجی تبدیلی پر مبنی سماجی ارتقاء کو دیکھتے ہوئے، قرآن اس مسئلے پر ایک قیمتی نقطہ نظر رکھتا ہے کیونکہ اس کا

---

[29] تکاثر، ۵-۶.

[30] سجدہ، ۲۴.

ثقافتی انجینئرنگ میں بہت اہم کردار ہے۔اس مطالعے کا بنیادی مقصد اس مسئلے پر قرآن کریم کے گہرے نقطہ نظر کی وضاحت کرنا ہے۔
اقدار کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ قابل تغیر ہیں، اور کچھ مستقل اور نا قابل تغیر ہیں۔مثال کے طور پر قرآنی ثقافت میں، حجاب ایک مستقل اور نا قابل تغیر قدر ہے، لیکن اس کے مصداق ایرانی چادر، عربی چادر، پاکستانی چادر، برقعہ یا اسکارف ہے۔حجاب کا کسی ملک یا ثقافت کی وجہ سے شکل اور ڈیزائن اور رنگوں میں مختلف ہونا ایک طبیعی اور فطری امر ہےان تمام صورتوں میں حجاب ہی کہدیں گے. شکل بدل سکتی ہے لیکن اصل حجاب ثابت ہے۔ ہر قسم کے حجاب قیمتی ہیں، لیکن ہر ایک کی ثقافت میں اپنی جگہ ہے۔ایک معاشرے میں وقت کے ساتھ ساتھ خواتین کئی قسم کے حجاب پہن سکتی ہیں۔ حجاب وپردہ کی قسم بھی مختلف سماج میں فرق کرتے ہیں یہ فرق اصل حجاب وپردے کو نقصان نہیں پہنچاتااہم چیز پردے کی پابندی ہے لہٰذا پردے کی تمام اقسام اقدار شمار ہوتی ہیں.

معاشرتی ارتقاء وپیشرفت کی جانب توجہ رکھتے ہوئے معاشرتی تبدیلی، قرآن نے اس موضوع پر اقدار وویلیوز کے زاویے سے نگاہ دوڑائی ہیں چونکہ یہ ثقافتی انجینئرنگ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے اقدار کیوں بجالایے کیسے تبدیل ہونے پر توجہ رکھتا ہے. اقدار چونکہ اعتقادات سے تشکیل پاتی ہے لہٰذا کبھی اس طرح بھی ممکن ہے کہ ایک سماج غلط اعتقادات کے باعث غلط اقدار کے پابند ہوں اور اس سماج میں حجاب معیوب وضد اقدار شمار ہوتی ہوں چنانچہ آج مغربی سوسائٹی اسی المیے کا شکار ہیں انسانی اقدار کے آفات کی زد میں ہیں.

لیکن قرآن ایسے اقدار متعارف کروارہا ہے جس کی جڑیں سماج اور بشری فطرت میں ہیں جو نہ تنہا خاص معاشرے سے مختص ہیں بلکہ ہر زمانے کے لیے قابل عمل ہیں ان کو اپنا کر ہی ثقافتی میدان میں تبدیلی لاسکتا ہے. اقدار الٰہی کی جڑیں فطرت انسانی میں موجود ہیں اور جس کا تعلق تمام معاشرے سے ہیں اور تمام زمانوں کے لیے ہیں لہٰذا قابل تبدیل نہیں، بلکہ تبدیل آور ہیں.

مختلف زاویوں سے اقدار کی تعریف بھی مختلف ہیں:

بعض کہتے ہیں: «اقدار عبارت ہے وہ شئے جو خاص معنی کا حامل ہو کہ انسان انہیں بعض اعمال وحالتوں سے نسبت دیتا ہے اور اپنی زندگی میں انکی خاص اہمیت کا قائل ہیں اقدار کو سمجھنا، حقائق کو سمجھنے سے مختلف ہیں جب انسانی اذہان اقدار کو سمجھتا ہے تو گویا حقائق کی سمجھ سے ہٹ کر آگاہی حاصل کرنے کا احساس ہوتا ہے جس کی بنیاد پر احساس، شناخت، ضروریات، میلانات، اعتقادات یہاں تک سماجی اقدار تشکیل پاتا ہے اس لیے اسے حقیقت نام دیا جاتا ہے۔[۳۱]

بعض نے معاشرتی اقدار پر بات کی ہیں ان کی نظر میں اقدار «ایسے ہونا چاہیے» اور «ایسے نہیں ہونا چاہیے» کا نام ہے. زیادہ تر معاشرہ اسی چیز کے خواہاں ہیں۔

جناب ہنری مندراس اور جناب ژرژ گورتیچ اس طرح تعریف کرتے ہیں: «ہر معاشرے میں اچھے اور برے، خوبصورت اور

---

[۳۱] جمشیدی، ارزش ہاوارزش شناسی، مجلّہ فرہنگ، کتاب ۴و۵، سال ۱۳۴۸: ص ۳۹۱۔

بدصورت، معزز اور ذلت آمیز، پسندیدہ اور ناپسندیدہ، معلوم اور پر عزم ہوتے ہیں اور معاشرے کے لوگ بھی جانتے ہیں کہ ان کے لائق کیا ہے تاکہ انسان اس کے لیے زندہ رہے، یا اس کی راہ میں اپنی زندگی قربان کر دے۔ [۳۲]

استاد مصباح یزدی اقدار کو معاشرتی تبدیلی کے عوامل میں سے ایک عامل کہتے ہیں۔ [۳۳]

واضح رہے کہ ہر سماج میں اقدار کا عمل اور رد عمل ساتھ انجام پاتے ہیں خصوصاً جب وہ اقدار، آئیڈیالوجی کی شکل میں ہوں، البتہ مختلف اقدار کے عمل اور رد عمل میں فرق ہے اقدار، معاشرتی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہیں اسی طرح اقدار، آیڈیولوجی پر اور آیڈیولوجی، رفتار اور رویوں پر اثر مرتب کرتی ہے ہماری اس تحقیق میں اقدار سے مراد، اخلاقی و معاشرتی اقدار مراد ہے جو سماجی معمولات کے ہمراہ ہوں اقدار وہی معاشرتی برائیوں اور خوبیوں کا نام ہے جو انسانی اعمال میں ظاہر ہوتے ہیں اور اقدار اسلامی میں سے ہیں جن کا شمار اہم ترین ثقافتی عنصر میں سے ہیں اس حصے میں وہ اخلاقی چیزیں جن کو انجام دینا چاہیے اقدار کی شکل میں ہیں اور وہ چیزیں جنہیں انجام نہیں دینا چاہیے وہ بھی معاشرتی معمولات کی شکل میں اپنی رفتار واعمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا انفرادی واجتماعی اقدار سے مراد یا معیار اکثریت گروہ یا سماج جسے اچھا یا برا سمجھے، وہ اقدار نہیں. البتہ ایک حصہ اقدار کا جو اخلاقی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے دوسرے گوشوں سے مربوط ہیں جیسے مہارت یا فنون وغیرہ سیکھنا.

قرآن نے تقویٰ کو ایک قدر کے طور پر بیان کیا ہے کہ حتماً انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس قدر کو بروئے کار لائے تاکہ معاشرہ ترقی وپیشرفت سے ہمکنار ہو. تقویٰ کا اثر نہایت وسیع ہے تقویٰ کے معاشی، ثقافتی، سیاسی، سماجی، سلامتی شعبوں میں بہت وسیع نتائج ہیں اس کی رعایت کرنے اور زندگی میں بروئے کار لانے سے مستقبل میں بھی سماج میں یہ تقدیر ساز تبدیلی ایجاد کرتا ہے.

خداوند عالم نے قرآن کی بعض آیات میں تقوی کو ایک غیر معمولی اثر گزار عامل کے طور پر ذکر کیا ہے. جب کوئی سماج قدر تقویٰ سے آراستہ ہو تو اس سماج میں مثبت معاشرتی تبدیلی ایجاد ہو جاتی ہے: «وَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرى‏ آمَنُوا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنا عَلَيْهِمْ بَرَكاتٍ مِنَ السَّماءِ وَ الْأَرْضِ وَ لكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْناهُمْ بِما كانُوا يَكْسِبُونَ- [۳۴]

اس آیت میں اللہ تعالی تقوی کی شرط کو، رحمت الٰہی کے دروازے کھلنے کی جزا کے طور پر بیان کیا ہے. اگر کسی معاشرے میں تقویٰ کو ایک قدر کے طور پر ڈھال لیا جائے تو عالمی نظام بھی ایسے معاشرے کے ساتھ تعاون کرے گا اور اس کے مثبت رد عمل سے یہ مادی خوشحالی اور اس کے نتیجے میں روحانی ترقی کا سبب بنے گا۔

آیہت مجیدہ کے اندر تبدیلی کے پہلو سے بات کی ہے مثبت تبدیلی تقویٰ کی شکل میں اور منفی تبدیلی، جھوٹ کی شکل میں اور ہر دو کے آثار، عمل اور رد عمل معاشرے پر مختلف مترتب ہوتے ہیں

---

[۳۲] مندراس، ہانری اژرژ گورویچ، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ باقر پرہام، تہران: امیر کبیر، ۱۳۴۹ش؛

[۳۳] مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ وتاریخ از دیدگاہ قرآن، تہران: شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۸۸ش؛

[۳۴] اعراف، ۹۶.

علامہ طباطبائی برکات کے معنی بیان کرتے ہیں: «برکات کا معنی ہر چیز وافر مقدار میں فراہم ہونا جیسے امنیت چین، آسایش، سلامتی، مال اور اولاد... زیادہ تر انسان جن کے نہ ہونے پر مورد آزمایش ٹھہرتا ہے۔

آیہ مجید دلالت کررہی ہے کہ الہی آیات کو جھٹلانا، مصائب وآلام اور بلاؤں اور عذاب کے نازل ہونے کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ ہر آسمانی برکات کے دروازے کھلنے کا سبب بنتا ہے پس کائنات میں یہ حقیقت موجود ہے کہ کائنات، انسانی اعمال کے مقابل، عمل اور رد عمل دکھاتی ہے یعنی کائنات شعور رکھتی ہے ہمارے نیک اور بد کردار، سماج پر عمل اور رد عمل دکھاتا ہے.

تقویٰ کا دوسرا کردار سماج میں، شناخت کا معیار وپیمانہ عطاء کرنا ہے:« إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقاناً [35]،وہ سماج جو شناخت رکھتا ہو اس کی حرکت کی سمت ترقی وپیشرفت کی جانب ہوتا ہے جس کا نتیجہ، ایسا معاشرہ، مثبت تبدیلی پیدا کرتا ہے اور تبدیلی کا سبب بنتا ہے۔

قرآن نے ۵۵ سے زیادہ آیات میں «جو کچھ انجام دینا چاہیے» کردار وآثار اور سماج میں تقویٰ کی کارکردگی پر گفتگو کیا ہے

سماج میں تقویٰ کا ایک اور نمایاں کردار بھی ہے دشمن کی نفوذ کو بے تاثیر بنادیتا ہے(آل عمران،۱۲۰)، اعمال و رویوں کی اصلاح (احزاب،۷۰)، سماج کی سربلندی کا باعث (احزاب،۷۰)، فتح وکامیابی کا پیش خیمہ (اعراف،۱۲۸)، بند گلیوں سے نجات اور غیر خدا کے سامنے دست گدائی دراز کرنے سے بے نیاز (طلاق،۲-۳) کرتا ہے.

اس جانب توجہ رہے « اتقوا الله »، کا لفظ قرآن میں متعدد بار آیا ہے اس لئے گناہ سے بچے، چونکہ گناہ خداوند اور بندے کے درمیان حجاب اور رکاوٹ ایجاد کرتا ہے اور خدا فیاض ہے اور گناہ اللہ کی فیوضات کو عام بندے تک پہنچنے سے روکتا ہے اور لطف الہی کو بندے تک پہنچانے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے .

تقویٰ در حقیقت سماج کے لئے محرک (موٹر) ہے جو کہ مسلسل خدا کی جانب حرکت دیتا ہے اور دوسری جانب یہ بریک کی طرح بھی عمل کرتا ہے اور سماج کو ہلاکت ونابودی کے تاریک دروں میں گرنے سے بچاتا ہے ، سماج کو بغیر کسی جگہ روکے مسلسل مقصد کی جانب حرکت دیتا ہے اور نفس اسی ہشیار عمل کے زریعے بہت سارے مشکل مسائل کو حل کرتا ہے:«وَ مَن يَتَّقِ اللَّهَ يجعَل لَّهُ مخرَجً وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يحتَسِبُ» [36]۔

زندگی میں چند اصولوں کی رعایت کرنے سے انسان کو تقوی حاصل ہوتا ہے جیسے اصل بندگی: « «يا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذي خَلَقَكُمْ وَ الَّذينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون» [37]، روزہ رکھنا:« يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيامُ كَما كُتِبَ عَلَى الَّذينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ» [38]، غیر موزوں حالات سے نبرد کرنا اور معاشرتی بے ضابطگیاں:«وَ لَكُمْ فِي الْقِصاصِ حَياةٌ يا أُولِي

---

[35] انفال،۲۹
[36] طلاق: ۲-۳
[37] بقرہ،۲۱
[38] بقرہ،۱۸۳

الْأَلْبابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون»[39]، سیدھا راستہ:«وَ أَنَّ هذا صِراطي مُسْتَقيماً فَاتَّبِعُوهُ وَ لا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبيلِهِ ذلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون»(انعام، ۱۵۲)، دینی دستورات پر عمل پیرا ہونا: « خُذُوا ما آتَيْناكُمْ بِقُوَّةٍ وَ اذْكُرُوا ما فيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون»،(اعراف، ۱۷۱)، معاف کرنا: «بقرہ، ۲۳۷،«وَ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوى»»اور عدالت برقرار کرنا:«اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ»»[40].
الٰہی ضوابط کی پابندی میں ایک اہم ترین اصل، روزہ رکھنا ہے جو خود بچنے کا ایک اہم فرمولا ہے. تقویٰ لوگوں کے افکار و نظریات اور اعمال کو قدر و منزلت بخشتا ہے اور انسانی معاشرے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے.

علامتیں:

علامتیں سب سے اہم ثقافتی عوامل ہیں جو سماجی تبدیلی کو متاثر کرتے ہیں۔ علامتوں کو دو عمومی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جیسے مثبت اور منفی۔

ہر دو کے ذیلی اقسام ہیں:

ثقافتی علامات جیسے مسجد وغیرہ دینی کلچر میں نمایاں کردار کا حامل ہیں آج تک اسلام کے آغاز میں ہونے والی تبدیلیوں اور ترقیات میں مسجد کا کردار مثبت اور منفی رہا ہے۔ مسجد معاشرے کی فکری، تعلیمی، تربیتی، ثقافتی، سماجی اور معاشی ترقی میں سرگرم رہی ہے اور اس کے بہت اہم نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ مسجد ایک مذہبی علامت کے طور پر مسلم کمیونٹی پر زبردست اثرات مرتب کرتی ہے۔

صدر اسلام سے آج تک مساجد فکری تربیت گاہ کے طور پر، علمی مہد کے طور پر، اقتصادی مرکز کے طور پر، سیاسی محور کے طور پر، عسکری مرکز کے طور پر، عدالتی مرکز کے طور پر نمایاں کردار کے حامل رہے ہیں. قرآن مجید نے کچھ ثقافتی علامتوں کا ذکر کیا ہے جیسے کہ مسجد اور ایسی علامتوں کے انسانوں کے معاشرتی مقدر پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں اور ایسے علاماتِ کا سماج کو سنوارنے میں فیصلہ کن کردار ہیں اسی وجہ سے ایمانی معاشرے کو خصوصی طور پر اس جانب متوجہ کیا ہے. لہٰذا ہم دیکھتے ہیں مسجد کے مقابلے میں کلیسا کا مقام بیان نہیں ہوا بلکہ مسجد ہی کا ذکر ہوا ہے !

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں اور آئمہ اطہار (علیہم السلام) کے زمانے میں مساجد باقاعدہ ثقافتی سمبل وعلامت کے طور پر تمام امور اور ہر قسم کے فیصلے چاہے وہ داخلی نوعیت کے ہوں یا خارجی نوعیت کے، ملکی اور دفاعی نوعیت کے، سب کے سب مسجد میں انجام پاتے تھے. پہلی مسجد جو روئے زمین پر انسانوں کی تخلیق سے پہلے بنایا گیا وہ مسجد الحرام ہے:«إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذي بِبَكَّةَ مُبارَكاً وَ هُدىً لِلْعالَمينَ»[41]، دینی ثقافت میں مسجد ایک اہم مرکز اور ہیڈ کوارٹر کی حیثیت رکھتی ہے

مسلمانوں کی مذہبی ثقافت میں مسجد کو ایک اہم نظریاتی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس بنیاد کو استعمال کیے بغیر کسی بھی قسم کی سماجی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا امام خمینی (رح) مسجد کو اسلامی انقلاب کا قلعہ گردانتے ہیں اور مساجد کا اسلامی انقلاب کے ایجاد میں نمایاں

---

[39] بقرہ، ۱۷۹
[40] مائدہ، ۸
[41] آل عمران، ۹۶

کردار رہے ہیں اور اسلامی انقلاب کی حفاظت، اور اسلامی انقلاب کی تسلسل اور اسلامی انقلاب کی بقاء میں اس دینی مرکز کا اساسی کردار ہے۔[42] پیغمبر اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نبوی انقلاب کی برپایی میں بھی مسجد کا کلیدی کردار رہا ہے پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ سے ھجرت کرکے مدینہ میں سب سے پہلے جو کارنامہ انجام دیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر کا مسئلہ تھا زمانہ پیغمبر میں تمام دینی، ثقافتی، سیاسی، عسکری، عدالتی، اقتصادی، امور پیغمبر سے ملاقات، بیرونی ممالک کے سفیروں سے ملاقات سب کے سب مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے۔[43]

مساجد کا کردار تعلیم وتربیت کے میدان میں بھی اہم ہیں. معاشرتی لیڈر طبقہ اور ایلیٹ طبقہ کی تربیت وپرورش میں مساجد کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں. مختلف علوم وفنون اور مہارتوں (قرات قرآن، تجوید، حدیث، تفسیر، فقہ، طب، طبیعیات. تاریخ، جغرافیہ و...)، مختلف نامور افراد اسی مرکز دین ہی کے کوکھ سے اعلیٰ مقام پیدا کیئے ہیں۔[44]

سیاسی عوامل:

سیاسی عوامل، سماجی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں[45]۔ سیاسی عوامل ممالک کی ترقی یا پسماندگی میں. براہ راست ملوث ہوتے ہیں۔ سیاسی عوامل مثبت اور منفی عوامل میں تقسیم ہوتے ہیں۔

اس تحقیقی مقالے میں تنہا مثبت سیاسی عوامل ہی سے مختصر گفتگو کریں گے.

قرآنی زاویہ نگاہ میں ایک اہم ترین عنصر سماجی تبدیلی کا قیادت کا عنصر ہے. چاہے ماضی کے سماجی تبدیلیاں ہوں یا زمانہ حال میں درپیش تبدیلیاں، یا آئندہ پیش آنے والی تبدیلی، سب میں قیادت فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے: «و الناس علی دین ملوکهم» علم عمرانیات کے ماہرین نے قیادت کو سماجی تبدیلی کا ایک اہم رکن شمار کیا ہے.

کوئن کا اعتقاد ہے: «اجتماعی تبدیلیاں زیادہ تر زیرک وہشیار قائدین شروع کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ رہنما لاتعداد لوگوں کو اپنی تحریک کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔ عیسی مسیح، بدھا، مہاتما گاندھی اور مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نابغہ شخصیتوں کی مثال تھے۔ ان افراد نے جن اجتماعی حرکتوں کی قیادت سنبھالی کامیابی ان کے مقدر ٹھری. اس لیے کہ ان کے اوپر اور ان کے آرزوؤں پر مکمل ایمان تھا۔[46].

لائق قیادت سماج کو ترقی کی جانب پیشرفت کرنے والا شمار ہوتا ہے۔ سماجی قائدین اگر ضروری شرائط کے حامل نہ ہوں تو ایسے معاشرے ترقی وپیشرفت کے بجائے نابودی وہلاکت سے دچار ہو جاتے ہیں.

---

[42] ہنری، لطیف پور، فرہنگ سیاسی شیعہ وانقلاب اسلامی، تہران: مرکز اسناد انقلاب اسلامی، ۱۳۷۹ش؛

[43] زاہری، احسان، مسجد با محوریت پیامبر اعظم، قم: الطیار، ۱۳۸۵ش؛

[44] وشلی، قاسم عبداللہ (وسلی)، المسجد واثرہ فی تربیہ الاجیال، بیروت: موسسہ النوشتار، ۱۹۸۸م؛

[45] عمید زنجانی، عباسعلی، مبانی اندیشہ سیاسی اسلام، تہران: سازمان انتشارات پژوہشگاہ فرہنگ و اندیشہ اسلامی، ۱۳۸۵ش؛

[46] کوئن، بروس ۱۳۸۲، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ غلام عباس توسلی- رضا فاضل، تہران: سمت؛

قرآن نے دونوں طرح کے کرداروں کانمونہ پیش کیا ہے. مثبت قائدین ہمیشہ ملتوں کو نجات دینے والے ہوتے ہیں لہٰذاقرآن نے شائستہ قائدین کی مثال کیلئے حضرت نوح (علیہ السلام)، حصرت ھود (علیہ السلام):« وَ لَمَّا جاءَ أَمْرُنا نَجَّيْنا هُوداً وَ الَّذينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَ نَجَّيْناهُمْ مِنْ عَذابٍ غَليظٍ»(ھود،۵۸))، حضرت صالح (علیہ السلام):« فَلَمَّا جاءَ أَمْرُنا نَجَّيْنا صالِحاً وَ الَّذينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزيزُ»(ھود: ٦٦)، حضرت شعیب (علیہ السلام): «نَجَّيْنا شُعَيْباً وَ الَّذينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَ أَخَذَتِ الَّذينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا في‏ دِيارِهِمْ جاثِمينَ»(ھود، ۹۴)، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) (صافات، ۱۱۴-۱۱۵.) کا نام لیا ہے۔

جو دیندار امتوں وملتوں کی نجات کے باعث بنے. دینی نقطہ نگاہ سے قیادت کی سنگین ذمہ داری، پیغمبروں اور ان کے جانشین بر حق آئمہ اطہار (علیہم السلام) کا حق ہے جنہیں اصطلاح میں امام، ولی الأمر، اولوالامر کہا جاتا ہے، خاص کر ان زمانوں کے لیے جب حجت خدا امت کے درمیان حاضر نہ ہو علماء دین ایسے منصب کاحقدار ہیں

بعض دانشوروں نے ۲۶ سے زیادہ قیادت کے لیے شرایط بیان کئے ہیں۔[47] زیادہ تر مسلمان دانشوروں نے قیادت سے متعلق گفتگو کی ہیں۔[48]

ممکن ہے کبھی ایک مکتب یا مملکت پر عنوان قیادت صدق کرے. یہ ایک عمومی لفظ ہے جو مثبت و منفی دونوں طرح کی قیادتوں کے لئے شامل ہے۔

قرآن بعض الٰہی قائدین سے گفتگو کرتا ہے جنہوں نے مثبت تبدیلی ایجاد کرنے کی راہ میں تاریخی لحاظ سے عظیم ترین انقلاب لائے ہیں ان میں سے ایک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کہ قرآن مجید بغیر کسی شرط کے ان کے کردار، رفتار، گفتار کو تمام نوع بشریت کے لیے نمونہ اور رول ماڈل قرار دیتا ہے (احزاب، ۲۱)۔

حضور پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت اور روش زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کتنی عظیم تبدیلی افراد اور سماج میں آپ نے پیدا کیا. اس وقت کا حکومتی سسٹم، نظام قبیلہ تھا. حق، طاقت کے ساتھ تھا جو بھی طاقتور ہو اسے حکمرانی کا حق حاصل تھا. بعض روشن فکر مغربی دانشوروں کا معاشرے کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔[49]

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طرز حکومت کو مکمل تبدیل کیا اور ایک جدید نظام حکومت جس کی بنیاد عدالت وانصاف پر قائم تھا کو رواج دیا اور اس فرسودہ ثقافت کو بدل ڈالا روایات میں ہے حضرت علی (علیہ السلام) نے اس زمانے کی اس طرح منظر کشی کی ہے "خداوند نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث کیا تاکہ دنیا کے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور آیات الٰہی

---

[47] مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن، تہران: شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۸۸ش؛

[48] علیخانی، علی اکبر و ہمکاران، اندیشہ سیاسی متفکران مسلمان (دورہ)، تہران: پژوہشکدہ مطالعات فرہنگی و اجتماعی، ۱۳۹۰ش؛

[49] لاور، اچ. رابرت، دیدگاہھای دربارہ دگرگونی اجتماعی، ترجمہ سید امامی کاووس، تہران: مرکز دانشگاہی، ۱۳۷۳ش؛

کے امانتدار بنائے جب کہ تم عرب بدترین دین وآئین زندگی کے مالک تھے اور بدترین سرزمین پر گزراوقات ہوتا تھا بنجر زمین تمہارا مسکن اور بہرے سانپوں کے ساتھ جیا کرتے تھے (اسی وجہ سے کسی بھی چیز سے جھجکتے نہیں تھے) گندے پانی سے تم سیراب ہو جایا کرتے تھے ناگوار چیزیں تمہارے لذیذ غذاؤں میں شمار ہوتا تھاایک دوسرے کے لہو بہانا معمول تھااور صلہ رحمی کو پائمال کرتے تھے. بے جان بتوں کی پوجا کرتے اور گناہ تم لوگوں کا سراپا وجود کا حصّہ بن چکا تھا۔[۵۰]

در حقیقت امام علی (علیہ السلام) نے قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے ثقافت کا مقایسہ کیا جاہلیت کے کلچر جس میں ضد اقدر چیزیں عام تھیں جیسے قتل وغارتگری، رشتہ داروں سے قطع رحمی، بدترین طرز زندگی کو اقدار کے طور پر گنا جاتا تھاایسے عالم میں الٰہی پیشوا، خدائی منشور ھدایت کے ساتھ سماجی انقلاب ایجاد کرتا ہے بہترین دین وروش زندگی کو اسلام کی شکل میں متعارف کرواتا ہے: «إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلامُ»[۵۱] ایسا ضابطہ حیات، جو دنیاوآخرت کی سعادت کا ضامن ہے انسانی اقدار کو پھر سے زندگی عطاء کی اور تمام باطل نظام زندگی پر خط بطلان کھینچ ڈالا:« وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلامِ ديناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخاسِرينَ»[۵۲]

اس دین نے عرب کے جاہلیت سے اٹے ہوئے سماج میں بنیادی تبدیلی اور حقیقی بیداری کو جنم دیا اور وہ لوگ جو کل تک بے خاصیت پتھروں کی پوجامیں مگن تھے اور بے تاثیر لکڑیوں کی پرستش کرتے تھے :«أَ فَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ما لا يَنْفَعُكُمْ شَيْئاً وَ لا يَضُرُّكُمْ»[۵۳]،انہیں ان کی غلامی واسارت سے رہائی بخشی، بت پرست سماج کو خداپرست سماج میں بدل دیا اولاد وفرزند کے قتل کی نحس عادت کو اس معاشرے سے دھوڈالا اور لہو بہا کر چین محسوس کرنے کی خصلت کو جڑ سے ختم کیا مدینہ کے دو قبیلہ اوس اور خزرج جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے انہیں اسلام نے انصار دین کا لقب عطاء کیا. یہ دو قبیلے ۱۳سے زیادہ خوفناک جنگیں لڑچکی تھیں۔[۵۴] قریش مکہ کو مھاجر کا عنوان عطاء کیااور دونوں قبیلوں کو رشتہء برادری میں پرودیا۔[۵۵] اور اس سے پہلے خود مکہ میں بھائی چارہ گی قائم کی گئی تھی۔

اس طرح سے لوگوں کو نظام قبیلگی سے نکال کر اسلامی نظام کے سانچے میں ڈال دیا قبیلگی نظام کو ایک جدید نظام برادری میں بدل ڈالا۔اوس وخزرج جو سالہاسال سے آپس میں دشمنی رکھتے تھے خداوند عالم نے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی نسبت محبت بھر دیا ایسی محبت والفت قائم ہوئی:« وَ أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ ما فِي الْأَرْضِ جَميعاً ما أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَ لكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزيزٌ حَكيمٌ»(نفال،۶۳)،مدینہ کے انصار نے مکہ سے آئے مہاجرین پر مال خرچ کیا، مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی یہاں تک

---

[۵۰] عبدہ، محمد، شرح نہج البلاغہ، قاہرہ: مطبعہ الاستقامہ، بی تا؛
[۵۱] آل عمران، ۱۹،
[۵۲] آل عمران، ۸۵
[۵۳] (انبیا،٦٦)
[۵۴] مرکز فرہنگ و معارف قرآن، دائرہ المعارف قرآن کریم، قم: بوستان کتاب، ۱۳۸۲ش؛
[۵۵] ابن حبیب، محمد/حسن بن حسین، المحبر، تحقیق: ایلزہ لیختن شتیتر، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، بی تا؛

جنگی مال غنیمت کے اپنے حصوں تک سے ہاتھ اٹھالیا (واقدی، المغازی، ۱۴۰۹: ۱/۹۷۷ ۳)، سماج کو ایسی سمت حرکت دی اور معاشرہ بہت تیزی سے ترقی کی طرف بڑھتا گیا اور قبیلگی نظام کے بدلے ایک جہانی نظام استوار کیا جو دو بنیادی رکن پر مشتمل تھا اور اس طرح حق و حقیقت کو نمایاں کیا اس نظام کا بلند ترین ہدف باطل پر حق کو غلبہ بخشنا تھا: «هُوَ الَّذي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدى‏ وَ دينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّه»(توبہ، ۳۳؛ فتح، ۴۸؛ صف، ۹).

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں مسلمان معاشرہ سیاسی طور پر آگے بڑھا اور اہم پیشرفت حاصل ہوئی اسلام کا جو آفاقی سیاسی اجتماعی نظام تھا کہ جس کی بنیاد الہی جہاں بینی پر قائم تھی اور الہی اقدار کو دنیا کے سامنے متعارف کروایا اور دنیا کے بڑے بڑے پادشاہوں کو دین حق کا پیغام بھیجا گیا جو کہ اس دعوی پر نمایاں دلیل ہے۔[٥٦]

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسی فکری تبدیلی اور ایسا انقلاب ایجاد لایا کہ جس کے نتیجے میں لوگ نظام قبیلگی کے بجائے نظام جہانی کے خواہاں ہوگئے در حقیقت ایسی تبدیلی کسی صالح قیادت کے بغیر ممکن نہ تھی اگر رہبر باصلاحیت ہو، تو قوم بھی باصلاحیت بنے گی جس کے نتیجے میں سماج میں ہر جہت اور ہر طرف سے پیشرفت ہوگی اور حقیقی معاشرتی ترقی اور اجتماعی بیداری پیدا ہوگی.

در حقیقت قیادت، سماج کو ترقی عطاء کرتی ہے اور تمام مادی و معنوی نعمتوں اور خوشنودی الہی کا سبب بنتی ہے سماج کو ترقی و پیشرفت کی جانب سمت دینے والی، باصلاحیت قیادت ہی ہے کہ جو ملت اور سماج کو بیدار کرتی ہے اور راکت سماج میں حرکت ایجاد کرتی ہے.

طاقتور لیڈر جو سیاست جاننے والا ہو، زمانے کی شناخت رکھتا ہو اور تو وہ لوگوں کے ساتھ ملکر ایک جدید معاشرے اور سماج کی بنیاد، ایک خاص آئیڈیولوجی پر رکھ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایران کا انقلاب ہے کہ جس کی بنیاد ولایت فقیہ پر قائم ہوئی ہے۔

امام خمینی (رح) نے جمہوری اسلامی کو ولایت فقیہ کی بنیاد پر قائم کیا جس کی نظیر پوری دنیا میں پہلے کہیں موجود نہ تھی اس نظام نے پوری دنیا میں تمام جہات سے ایک جدید سیاسی، اجتماعی اور مدیریتی ماڈل پیش کیا۔

اقتصادی عوامل:

اقتصادی عوامل جیسے مال ودولت، تجارت اور مضاربہ وغیرہ، وہ عوامل ہیں جو سماجی تبدیلی میں اثر انداز ہیں. مال و دولت کو سماجی تبدیلی کے مادی عوامل میں سے گردانا جاسکتا ہے قرآنی اصطلاح میں ثروت کے لئے زیادہ تر مال یا اموال کا لفظ استعمال ہوا ہے قرآن ہر طرح سے مال بٹورنے کا مخالف ہے (بقرہ، ۱۲۸)، لہٰذا متعدد آیات قرآن میں مال وثروت کو سماج کے لئے آزمائش کے طور پر پیش کیا گیا ہے جیسے سورہ انفال آیت ۲۸ اور سورہ تغابن آیت ۱۵۔

ان آیات میں مال کو وسیلہ امتحان گردانا ہے اور دوسری آیات میں قسم کے ساتھ خبر دیا ہے کہ مال کے ذریعے سماج کا امتحان لیا جائے گا: «لَتُبْلَوُنَّ في‏ أَمْوالِكُم»(ال عمران، ۱۸۶). اس آیت میں لام، قسم اور تاکید کے لئے ہے اسی طرح نون تاکید ثقیلہ بھی تاکید

---

[٥٦] ابن اثیر، علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار صادر، ۱۳۸۵ق؛

کے لئے ہے. اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام ہستی امتحان کی منزل سے گزرے گی اور یہ ایک ایسا الٰہی قانون ہے کہ کوئی شخص اس قانون سے بچ نہیں سکے گا.

سورہ بقرہ آیہ ۱۵۵تا کید کے ساتھ بیان کیا ہے سماج کا امتحان مال اور دولت کے ذریعے ہوگا اور سماج کی تقدیر میں یہ کلیدی اور بنیادی کردار کا حامل ہے۔

مال سماج کی ترقی کا عامل ہے اگر درست سمت میں خرچ ہو تو سماج ترقی کرے گا: « يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا لا تُلْهِكُمْ أَمْوالُكُمْ وَ لا أَوْلادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذلِكَ فَأُولئِكَ هُمُ الْخاسِرُون»(منافقون،۹) . بعض دانشوروں نے اقتصاد کو سماج کی تبدیلی میں بنیادی کردار کا حامل مانا ہے۔[57]

اقتصاد ممکن ہے سماج پر مثبت اثرات مرتب کرے اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ معاشرے پر اقتصاد کے منفی اثرات مرتب ہو جائے. در حقیقت اہم سماج کا رویہ اور سلوک ہے اگر سماج مال کو اصالت قرار دے، سماج کے کردار و رفتار پر ایسے ہی فکر اور سوچ کی حکمرانی ہوگی. اور سماجی تبدیلی بھی اسی بنیاد پر واقع ہوگی قرآن اس سلسلے میں مثال کے طور پر قارون کو پیش کر رہا ہے، جو مادی سوچ کا سمبل اور اس سوچ کی علامت ہے (قصص،۷۶) . لوگ آرزو کرتے تھے کہ قارون کی طرح صاحب مال و دولت بنیں. خداوند عالم نے اسے طغیانی و ستمگری کے سبب اس کے تمام اموال سمیت زمین میں نگلوایا اور وہ اس طرح ہلاک ہوا (قصص، ۸۲) .

تاریخ بھر میں بہت سارے افراد جو مادی سوچ اور مادی غرور کے سبب مٹ گئے قرآنی نگاہ میں ممکن ہے مال و دولت مثبت تبدیلی ایجاد کرے اور اسی طرح ممکن ہے منفی تبدیلی برپا کرے ہر دو صورتوں میں مال سماج میں تبدیلی کا عامل ہے.

---

[57] واگو، استفان، ۱۳۷۳، درآمدی بر تئوری ہا و مدل ہای تغییرات اجتماعی، ترجمہ ی غروی زاد، تہران: موسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)؛

نتیجہ

سماجی تبدیلی کے تین عوامل ہیں یعنی اقتصادی عامل، سیاسی عامل اور ثقافتی عامل، ان میں سے ہر ایک کے دو دو ذیلی قسمیں ہیں مثبت اور منفی.

اہم ترین مثبت ثقافتی عامل میں ،اعتقادات، اقدار اور علامات ہیں یہ عوامل معاشرتی تبدیلی میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی عوامل بھی سماج کو پیشرفت کی جانب حرکت دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ معاشرے کو یا پسماندگی کی جانب لے جانے میں دخیل ہیں یا بلندی و عروج دیتے ہیں اور قیادت جو کہ عوامل سیاسی میں سے ہیں اور سماج میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے اور اسی طرح یہ عامل سرنوشت ساز اور تقدیر ساز کردار کا حامل ہے.

اقتصادی عوامل بھی سماجی تبدیلی میں تاثیر گزار ہیں. البتہ اس جانب توجہ رہے عنصر اقتصاد، اگر صحیح طرح استعمال ہو تو مثبت سماجی تبدیلی پیدا کرتا ہے اور معاشرے سے نہ تنہا فقر اور غربت کو دور کرتا ہے بلکہ معاشرے کو الہی بنانے میں بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے.

منابع

قرآن کریم؛

۱. ابن اثیر، علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار صادر، ۱۳۸۵ق؛

۲. ابن حبیب، محمد/حسن بن حسین، المحبر، تحقیق: ایلزۃ لیختن شتیتر، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، بی تا؛

۳. ابن قتیبۃ، عبد اللہ بن مسلم، المعارف، تحقیق: ثروت عکاشۃ، قاہرۃ: الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۲م؛

۴. ابن کثیر دمشقی، اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۷ق؛

۵. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ق؛

۶. ابوزید، عبد العظیم، بیع المرابحہ و تطبیقات المعاصرہ فی المصارف الاسلامیہ، دمشق، دار الفکر، ۱۴۲۵ق؛

۷. ابوالفتح، محمد بن سید الناس، عیون الاثر، بیروت: دار القلم، ۱۴۱۴ق؛

۸. اچ. ترنر، جاناتان، مفاہیم وکاربردہای جامعہ شناسی، ترجمہ محمد فولادی و محمد عزیزی بختیاری، قم: انتشارات موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، ۱۳۷۸ش؛

۹. بحرانی، ہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، تہران: بنیاد بعثت، ۱۴۱۶ق؛

۱۰. بشوی، محمد یعقوب، تغییرات اجتماعی از منظر قرآن، قم: بوستان کتاب، ۱۳۹۸۱ش؛

۱۱. بیرو، آلن، فرہنگ علوم اجتماعی، ترجمہ باقر ساروخانی، تہران: کیہان، ۱۳۸۰ش؛

۱۲. جعفری، یعقوب، کوثر، بی جا، بی تا، بی نا؛

۱۳. جمشیدی، ارزش ہاوارزش شناسی، مجلّہ فرہنگ، کتاب ۴و۵، سال ۱۳۴۸ش؛

۱۴. حاجی الصادقی، عبداللہ، فلسفہ النظام السیاسی فی لاسلام، منشورات الرشید، بی جا، ۱۴۳۱ق؛

۱۵. حکیم، محمد باقر، علوم القرآن، قم: مجمع الفکر الاسلامی، ۱۴۱۷ق؛

۱۶. حمید، حمید ۱۳۵۲ علم تحولات جامعہ، تہران: انتشارات امیر کبیر؛

۱۷. دارینی، محمود، موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی، قم، ۱۳۸۶ش؛

۱۸. درّاز، محمد عبداللہ، النبا العظیم، نظرات جدیدہ فی القرآن (نظرات جدیدہ فی القرآن)، ریاض: دار طیبہ، ۱۴۲۱ق؛

۱۹. رضایی اصفہانی، محمد علی، روش ہای تفسیر قرآن، ناشر مرکز بین المللی ترجمہ و نشر المصطفیٰ (ص): ۱۳۹۷؛

۲۰. رفیع پور، فرامرز، ۱۳۸۷، آناتومی جامعہ: مقدمہ ای بر جامعہ شناسی کاربردی، تہران: شرکت سہامی انتشار، ش؛

۲۱. روشہ، گی، ۱۳۸۷، تغییرات اجتماعی، ترجمہ: وثوقی، منصور، تہران: نشرنی؛

۲۲. زاہری، احسان، مسجد با محوریت پیامبر اعظم، قم: الطیار، ۱۳۸۵ش؛

۲۳. سند، محمد فقہ المصارف والنقود، قم: محبین، ۱۳۲۸ق؛

۲۴. سیف زادہ، حسین، نوسازی، توسعہ ودگرگونی سیاسی، تہران: نشر قومس، ۱۳۸۸ش

۲۵. سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی تفسیر الماثور، قم: کتابخانہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۴ق؛

۲۶. شاہد، ایس ایم، اسلام اور جدید سیاسی وعمرانی افکار، لاہور: ایورنیو بک پیلس، بی تا؛

۲۷. صدر، محمد باقر، المدرسہ القرآنیہ (السنن التاریخیہ فی القرآن)، سوریہ: دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۰۹ق؛

۲۸. طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران: انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۷۲

۲۹. عبدہ، محمد، شرح نہج البلاغہ، قاہرہ: مطبعہ الاستقامہ، بی تا؛

۳۰. علیخانی، علی اکبر و ہمکاران، اندیشہ سیاسی متفکران مسلمان (دورہ)، تہران: پژوہشکدہ مطالعات فرہنگی و اجتماعی، ۱۳۹۰ش؛

۳۱. عمید زنجانی، عباسعلی، مبانی اندیشہ سیاسی اسلام، تہران: سازمان انتشارات پژوہشگاہ فرہنگ و اندیشہ اسلامی، ۱۳۸۵ش؛

۳۲. کوئن، بروس ۱۳۸۲، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ غلام عباس توسلی-رضا فاضل، تہران: سمت؛

۳۳. گنابادی، سلطان محمد، تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ، بیروت: مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۸ق؛

۳۴. لاور، اچ. رابرت، دیدگاہہایی دربارہ دگرگونی اجتماعی، ترجمہ سید امامی کاووس، تہران: مرکز دانشگاہی، ۱۳۷۳ش؛

۳۵. لوک وان کامپنہود، ریموند کیوی، روش تحقیق در علوم اجتماعی مؤلفان: ، مترجم: عبدالحسین نیک گہر: ۱۳۸۴ ناشر: توتیا؛

۳۶. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت: موسسہ الوفاء، بی تا؛

۳۷. مرکز فرہنگ و معارف قرآن، دائرہ المعارف قرآن کریم، قم: بوستان کتاب، ۱۳۸۲ش؛

۳۸. مساواتی، آذر مجید، دیدگاہہای جامعہ شناسی تغییرات اجتماعی، ہادی ۱۳۷۲ش؛

۳۹. مصباح یزدی، محمد تقی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن، تہران: شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۸۸ش؛

۴۰. مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، تہران: بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب، ۱۳۶۰ش؛

۴۱. مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران: صدرا، ۱۳۷۲ش؛

۴۲. مندراس، ہانری/ژرژ گورویچ، مبانی جامعہ شناسی، ترجمہ باقر پرہام، تہران: امیر کبیر، ۱۳۴۹ش؛

۴۳. ہنری، لطیف پور، فرہنگ سیاسی شیعہ و انقلاب اسلامی، تہران: مرکز اسناد انقلاب اسلامی، ۱۳۷۹ش؛

۴۴. واقدی، کتاب المغازی، محمد بن عمر، تحقیق: مارسدن جونس، بیروت: مؤسسۃ الأعلمی، ۱۴۰۹ق؛

۴۵. واگو، استفان، ۱۳۷۳، درآمدی بر تئوریہا و مدلہای تغییرات اجتماعی، ترجمہ ی غروی زاد، تہران: موسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)؛

۴۶. وشلی، قاسم عبداللہ (وسلی)، المسجد واثرہ فی تربیہ الاجیال، بیروت: موسسہ النوشتار، ۱۹۸۸م۔